OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

امام قرطبیؒ کی فقہی آراء پر نقد: تفسیر تبیان القرآن کا خصوصی مطالعہ

A Criticism on the Jurisprudential opinions of Imam Qurtabi: Special Study of Tafseer Tibyan ul Quran

Dr. Shehbaz Shabbir
Lecturer Institute of Islamic Studies, Mirpur University of Science & Technology (MUST), Mirpur, AJK.
Email: shehbaz.iis@must.edu.pk

Muhammad Tasneem Azeem
Lecturer Institute of Islamic Studies, Mirpur University of Science & Technology (MUST), Mirpur, AJK.
Email: tasneem.5168@gmail.com

Shahbaz Ahmad Shah
Lecturer, Kashmir Model College, Mirpur AJK.
Email: shahg1788@gmail.com

Received on: 02-10-2023 Accepted on: 04-11-2023

Abstract

Allama Ghulam Rasool Saeedi is a well-known and famous contemporary commentator of Holy Quran, Mohadith and Jurisprudence. In Fiqa Islami , he has special insight. In most of his works, he described Jurisprudential related things. In his book of commentary, Tafseer e Tibyan ul Quran, he has put critical views on different commentators of Holy Quran and Jurisprudents like Imam Ghazali, Imam Aloosi and so on. One of them is Allam Qurtabi who is a famous commentators and jurisprudents. Allama Saeedi selected different jurisprudential segments form Imam Qurtabi's Tafseer and put critical views on it, which is literarily wit and worth reading and discuss. In his work, especially, during critical approach, Allama Saeedi remain purely neutral and discuss all aspects of related issue. This makes his work a worth reading literature.

Keyword: Allama Saeedi, Criticism, Imam Qurtbi, Jurisprudential opinions, Tafsir Tibyan ul Quran

امام قرطبیؒ کا پورا نام محمد بن احمد بن ابی فرح الانصاری الخزرجی المالکی ہے لیکن آپ ابو عبداللہ القرطبیؒ کے نام سے مشہور ہیں۔اس کے علاوہ آپ مفسر قرطبیؒ اور امام قرطبیؒ کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔امام قرطبیؒ کی تاریخ پیدائش،ابتدائی تعلیم اور نشوونما کے حالات واضح طور پر میسر نہیں ہیں مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد کھیتی باڑی کرتے تھے۔انہوں نے امام قرطبیؒ کی پرورش کی اور اندلس کے رواج کے

مطابق ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔[1]

فقہی مذہب کے اعتبار سے امام قرطبیؒ نے علمائے مالکیہ کے علاوہ فقہائے شافعیہ سے علمی استفادہ کیا مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ انہوں نے زندگی بھر فقہ امام مالک کی تقلید کو ہی اپنائے رکھا۔اس کی تائیدان کی تفسیر میں اس بات سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں دو سو تیس (230) سے زائد مرتبہ [قال علماؤنا] کہہ کر علمائے مالکیہ کے مسلک کو بیان کیا ہے۔[2]اس کے علاوہ امام قرطبیؒ کی کتاب ''التذکرہ'' میں بھی یہ الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔وہ کبھی کبھار تو قال علماؤنا المالکیہ بھی کہتے نظر آتے ہیں۔مثلا سورہ ھود میں ایک مقام پر لکھتے ہیں: [قَدْ قَالَ عُلَمَاؤُ نَا الْمَالِكِيَةُ: إِنَّ الدَّنَانِيرَ وَ الدَّرَاهِمَ۔۔۔الخ]۔[3](ہمارے مالکی علماء نے کہا کہ بے شک درہم اور دینار۔۔۔الخ۔)امام قرطبیؒ بہت نیک، صوفی باصفااور ولی اللہ تھے۔ابن فرحون نے امام قرطبیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ اللہ کے بہت نیک بندے، عارف باللہ اور زہد و تقوی میں مشغول رہنے والے، دنیا سے بیزار اور آخرت کے امور میں دلچسپی رکھنے والے انسان تھے۔آپ نے اپنی عبادت اور تصانیف کے لیے اوقات مقرر کر رکھے تھے۔[4] جیسا کہ آپ کے بارے میں امام ذہبی کی رائے ہے: [إمام متفنن متبحر في العلم، له تصانيف مفيدة تدل على إمامته، و كثرة إطلاعه و وفور فضله.][5](آپ اپنے فن کے امام، علم کے سمندر ہیں۔آپ کی تصانیف بہت مفید اور آپ کے امامت علمی، علوم اسلامیہ پر بہترین قدرت اور فضل پر دلالت کرتی ہیں۔)

آپ کی تفسیر، تفسیر قرطبیؒ کئی جلدوں پر مشتمل ایک مشہور کتاب ہے جو تفسیر قرآن کے باب میں بنیادی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کا نام جامع احکام القرآن ہے۔اس میں قصص القرآن، تواریخ، احکام القرآن، استنباط کے طرق، قرأتوں کا ذکر، اعراب، نسخ اور اسماء حسنی کی شرح تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔اس کے علاوہ تفسیر قرطبیؒ کی خاص بات یہ ہے کہ علامہ قرطبیؒ نے اس میں فقہی احکام وضاحت سے بیان کیے ہیں۔مختصراًیہ کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر قرطبیؒ اسلام کے قانونی پہلوؤں کا جامع انسائیکلوپیڈیا ہے۔یہ تفسیر قرآن کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ایک جامع دستاویز ہے۔

اپنی تفسیر تبیان القرآن میں علامہ غلام رسول سعیدی نے بعض مقامات پر علامہ قرطبیؒ کی تفسیری آراء کو بیان کرتے ہوئے ان پر ناقدانہ تجزیہ کیا ہے۔امام قرطبیؒ نے امام اعظم ابو حنیفہ پر حیلہ کے حوالہ سے فقہی اعتبار سے اعتراض وارد کیا ہے۔علامہ سعیدی نے فقہی انداز میں اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام اعظم ابو حنیفہ کے موٴقف کو صحیح قرار دیا ہے۔اسی طرح ایک مقام پر علامہ قرطبیؒ نے اہل ذمہ کی گواہی کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے احناف پر کچھ اعتراض کیے ہیں۔علامہ سعیدی نے ان اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور امام قرطبیؒ کے موٴقف پر نقد بھی کیا ہے۔اس کے علاوہ ایک مقام پر عورت کے لیے عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے مسئلہ پر بھی امام قرطبیؒ پر نقد کیا ہے۔ذیل میں تفسیر تبیان القرآن میں مذکور امام قرطبیؒ کے ذکر کردہ چند منتخب فقہی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے

حیلہ کے جواز پر امام قرطبیؒ کا اعتراض اور اس کا جواب

لفظ حیلہ واحد ہے اور اس کی جمع حِیَل ہے۔جیسے عبرۃ کی جمع 'عِبَر' آتی ہے اور حکمۃ کی جمع 'حکم' آتی ہے۔حیلہ تصرف کی قوت، ہوشیاری

اور دور بینی کو کہا جاتا ہے۔اس کی جمع احیال اور حیول بھی آتی ہے۔ابو حبیب سعدی نے،القاموس الفقهی میں لکھا ہے: [الحيلة: الحذق وجودة النظر، والقدرة على دقة التصرف في الامور۔]6 (حیلہ مہارت، گہری نظر اور امور میں باریک بینی پر قدرت کا نام ہے۔) اسی طرح الجرجانی اپنی کتاب التعریفات میں حیلہ کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: [الحيلة: اسم من الاحتيال۔ وهي التي تحول المرء عما يكره الى ما يحبه۔]7 (حیلہ نام ہے حیلہ کرنے کا اور حیلہ وہ ہے جو آدمی پھیرتا ہے اس کام سے جو اسے ناپسند ہو اس کام کی طرف جسے وہ پسند کرتا ہے۔)

آئمہ ثلاثہ کے ہاں شرعی احکام میں حیلہ کا استعمال جائز نہیں ہے۔ جبکہ احناف حیلہ کے جواز کے قائل ہیں۔امام محمد اور امام خصاف نے حیلہ کے حوالے سے ایک ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس میں حیلہ کے جواز کی صورتیں اور حدود بیان کی گئی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ احناف کے ہاں حیلہ کے جواز سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان حیلوں سے احکام شرع کو ہی باطل کر دیا جائے بلکہ ان سے مراد وہ راستے اور وسیلے ہیں جن سے مصالح پورے ہوں۔اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ حیلہ سے شرعی احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔امام شاطبیؒ حیلہ کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

تَقْدِيمُ عَمَلٍ ظَاهِرِ الْجَوَازِ لِإِبْطَالِ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ وَتَحْوِيلِهِ فِي الظَّاهِرِ إِلَى حُكْمٍ آخَرَ، فَمَآلُ الْعَمَلِ فِيهَا خَرْمُ قَوَاعِدِ الشَّرِيعَةِ فِي الْوَاقِعِ، كَالْوَاهِبِ ماله عند رأس الحول فرارًا من الزَّكَاةِ، فَإِنَّ أَصْلَ الْهِبَةِ عَلَى الْجَوَازِ، وَلَوْ مَنَعَ الزَّكَاةَ مِنْ غَيْرِ هِبَةٍ لَكَانَ مَمْنُوعًا، فَإِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ظَاهِرٌ أَمْرُهُ فِي الْمَصْلَحَةِ أَوِ الْمَفْسَدَةِ، فَإِذَا جَمَعَ بَيْنَهُمَا عَلَى هَذَا الْقَصْدِ، صَارَ مَآلُ الْهِبَةِ الْمَنْعَ مِنْ أَدَاءِ الزَّكَاةِ، وَهُوَ مَفْسَدَةٌ، وَلَكِنَّ هَذَا بِشَرْطِ الْقَصْدِ إِلَى إِبْطَالِ الْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ.[8]

کسی شرعی حکم کو باطل کرنے کے لیے کسی ایسے عمل کو جو ظاہری طور پر جائز ہو مقدم کرنا اور ظاہر میں اس کو کسی دوسرے حکم کی طرف پھیر دینے کو حیلہ کہتے ہیں۔اس عمل کو مقدم کرنے کا نتیجہ فی الحقیقت شرعی قواعد کو توڑنا ہے۔ جیسے کوئی شخص زکوۃ سے بچنے کے لیے سال کے آخر میں اپنا مال کسی دوسرے شخص کو ہبہ کر دے۔ شریعت میں اصولی طور پر ہبہ کرنا جائز ہے۔اگر مال کو بغیر ہبہ کئے ہوئے زکوۃ ادا نہ کرتا تو یہ اس کے لیے ناجائز و ممنوع تھا۔اب ان دونوں کاموں میں سے ظاہری طور پر ایک (یعنی ہبہ میں) مصلحت ہے اور دوسرے (یعنی زکوۃ نہ دینے میں) مفسدہ یعنی خرابی ہے۔جب اس نے اس مقصد کے لیے ان دونوں کو جمع کیا، تو اس ہبہ کا نتیجہ زکوۃ کو روکنا ہوا اور یہ مفسدہ ہے۔ لیکن یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کا مقصد شرعی احکام کو باطل کرنا ہو۔

تفسیر تبیان القرآن میں علامہ سعیدی نے علامہ قرطبیؒ پر حیلہ کے مسئلے میں نقد کیا ہے۔علامہ قرطبیؒ حیلہ کے عدم جواز کے قائل ہیں اور انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ پر اعتراض کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حیلہ کے جواز پر فتوی دے کر شریعت میں مرضی کرنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یوں ہے کہ اس آیت میں حیلوں کے ساتھ اغراض کو پورا کرنے کی دلیل ہے۔جب کہ وہ حیلے شریعت کے مخالف نہ ہوں۔اور نہ کسی شرعی قاعدہ کو منہدم کرتے ہوں۔اس میں امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے۔ وہ حیلوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔خواہ حیلے اصول شرعیہ کے مخالف ہوں اور حرام کو حلال کرتے ہوں۔علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ سال پورا ہونے

سے پہلے اپنے مال کو فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے۔ جب کہ اس کی یہ نیت نہ ہو کہ وہ ایسا کرکے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جائے گا اور اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ جب سال پورا جائے اور اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل آجائے تو اس کے لیے بقدر نصاب مال میں تصرف کرنا یا کمی کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر اس کی ملک میں (مثلاً) بکریاں ہبہ جمع ہوں تو ان کو متفرق کردے (مثلاً اس کے پاس چالیس بکریاں ہوں اور اس نے ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہو تو وہ اپنی بکریوں کو متفرق کردے اور کہے کہ یہ بیس بکریاں میری ہیں اور بیس بکریاں فلاں کی ہیں اور فلاں کو وہ بکریاں ہبہ کردے تاکہ زکوٰۃ سے بچ جائے)۔ اسی طرح متفرق کو جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (کیونکہ ۴۰ سے ۱۱۹ تک ایک بکری زکوٰۃ میں دینی ہے اور ۱۲۰ پر دو بکریاں ہیں۔ اب فرض کریں کہ دو بھائیوں کی چالیس چالیس بکریاں ہیں اور ہر ایک پر ایک بکری زکوٰۃ دینا واجب ہے اور جب عامل آئے تو ان میں سے کوئی ایک بھائی دوسرے کو اپنی بکریاں ہبہ کردے اور وہ دوسرا بھائی کہے، یہ میری اسی بکریاں ہیں اس طرح ایک بکری زکوٰۃ میں دی جائے گی اور ایک بکری بچ جائے گی۔ اور بعد میں پھر دونوں بھائی حسب سابق معاملہ کرلیں)۔ امام مالک نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے مثلاً ایک ماہ پہلے اپنے نصاب میں کمی کرے گا۔ تب بھی سال پورا ہونے کے بعد اس کو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے: زکوٰۃ کے ڈر سے مجتمع کو متفرق نہ کیا جائے اور متفرق کو مجتمع نہ کیا جائے۔ اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے سال پورا ہونے سے پہلے مجتمع کو متفرق کیا ہے یا متفرق کو مجتمع کیا ہے تاکہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے سے بچ جائے تو اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا اور زکوٰۃ سال پورا ہونے کے بعد لازم ہوتی ہے اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ زکوٰۃ کے ڈر سے ایسا نہ کرے، اس کا مصداق تو وہ شخص اسی صورت میں بنتا ہے۔[9]

حیلہ کے جواز پر علامہ قرطبیؒ کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے علامہ سعیدی رقمطراز ہیں کہ علامہ قرطبیؒ کے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص بقدر نصاب مال کا مالک ہے اور سال پورا ہونے سے ایک ماہ پہلے اس نے اپنا مال کسی کو فروخت کردیا یا کسی کو ہبہ کردیا اور یہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کیا تو اس پر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اگر واقعی اس نے یہ عمل زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کیا تو وہ یقیناً سخت گناہ گار ہوگا۔ لیکن اگر اس نے کسی صحیح نیت سے کسی جائز ضرورت کی بناء پر مال فروخت کیا یا ہبہ کیا تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔ تاہم شرعی احکام کا نفاذ تو ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب اس کے پاس بقدر نصاب مال ایک سال تک نہیں رہا، بلکہ گیارہ مہینے رہا ہے تو اس کے اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور امام مالک اور دوسرے جن ائمہ نے گیارہ ماہ گزرنے کے بعد اس کے مال پر زکوٰۃ واجب کردی ہے، انہوں نے احکام شرعیہ میں ترمیم کی ہے اور یہ فرض کرکے کہ اس نے زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہے، اس کی نیت پر اور غیب پر حکم لگایا ہے اور مسلمان کے متعلق بدگمانی کی ہے اور ہم ان تمام امور سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔[10]

علامہ غلام رسول سعیدی کی درج بالا عبارت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ علامہ سعیدی کسی شرعی حکم سے بچنے کے لیے حیلہ کرنے والے کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ لیکن یہاں نیت کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر اس کی نیت شرعی حکم کو ساقط کرنے کی نہیں تو اس کا یہ عمل جائز ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ کہ اگر کسی نے حیلہ کرتے ہوئے اپنا مال کسی اور کو دے ہی دیا تو اس پر اب زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ شریعت کا نفاذ ظاہر کے حکم پر ہوتا ہے اور ظاہر میں حیلہ کرنے والے کے پاس سال مکمل ہونے سے قبل مال باقی نہیں رہا،اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے حیلہ کے جواز اور اس کی مشروعیت کو ثابت کرنے کے لیے قرآن سے دلائل دیے ہیں۔آپ کے نزدیک مطلقا حیلہ ممنوع نہیں ہے۔آپ نے قرآن مجید کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے سورہ یوسف کی آیت ۷۶ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریوں کی تلاشی لینی شروع کر دی، پھر اس پیالے کو اپنے بھائی کی بوری سے برآمد کر لیا،اللہ تعالٰی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خفیہ تدبیر بتائی تھی،وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے۔اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ نے فرمایا کہ [وخذبیدک ضغثاً فاضرب بہ و لا تحنث۔][11](اے ایوب !) آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کی ایک جھاڑو لے کر اسے ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں۔)اس آیت میں اللہ تعالٰی نے حضرت ایوب (علیہ السلام) کو اپنی قسم سے نکلنے کا حیلہ تعلیم فرمایا ہے۔کیونکہ جب شیطان نے ان کی بیوی سے کہا کہ وہ شیطان کے نام پر ایک بکری کا بچہ ذبح کر دیں تو حضرت ایوب (علیہ السلام) نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو کوڑے ماریں گے تو اللہ تعالٰی نے ان کو اس قسم سے نکلنے کا یہ حیلہ تعلیم فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو سو تنکوں کی ایک جھاڑو مار دیں۔[12]

حیلہ کے جواز کے متعلق علمائے احناف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا جس کے ذریعے سے آدمی اپنے آپ کو حرام کام یا چیز سے دور رکھے یا اس کے ذریعے سے حلال چیز تک پہنچ جائے تو ایسا کرنا نیک اور اچھا کام ہے اور اس کی اجازت ہے۔لیکن اس کے برعکس ایسا حیلہ کرنا جس سے کسی دوسرے شخص کا حق دبایا جائے یا حق سے بے حق کیا جائے یا اس میں شبہ پیدا کیا جائے،ناجائز اور باطل کام یا مشتبہ چیز کو صحیح اور سچ کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو ایسا حیلہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔شیخ محمد عثمان غنی،صاحب نصر الباری میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ :

۱۔اگر حیلہ سے مقصود کسی حق کا ابطال یا کسی باطل کا اثبات ہو تو یہ حیلہ بالاتفاق حرام ہے۔

۲۔اگر حیلہ سے حق ثابت کرنا اور باطل کو دفع کرنا مقصود ہو تو کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب

۳۔اگر کسی ناپسندیدہ چیز میں واقع ہونے سے بچنے کے لیے حیلہ کیا جائے تو یہ کبھی مستحب ہوتا ہے اور کبھی مباح۔

۴۔اگر کسی مستحب کو ترک کرنے کے لیے حیلہ کیا جائے تو یہ حیلہ مکروہ ہے۔[13]

علامہ سعیدی نے حیلہ کے حوالے سے جو بحث کی ہے،اس کی تائید فقہائے احناف کی عبارتوں سے بھی ہوتی ہے۔اکثر فقہاء نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ وہ ہر حیلہ کے قائل نہیں تھے جیسا کہ امام قرطبیؒ نے لکھ دیا ہے۔بلکہ ایسے حیلہ کے قائل ہیں جس میں حرام کا ارتکاب نہ ہو۔عالمگیری میں ہے :

مَذْهَبُ عُلَمَائِنَا - رَحِمَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى - أَنَّ كُلَّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِإِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لِإِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِيهِ أَوْ لِتَمْوِيهِ بَاطِلٍ فَهِيَ

مَكْرُوهَةٌ وَكُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إِلَى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ۔[14]

ہمارے علماء (امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب) کا مذہب یہ ہے کہ ہر حیلہ جس کو آدمی اس واسطے کرتا ہے کہ اس سے حق غیر باطل ہو جائے یا اس میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے یا بغرض تمویہ باطل کرتا ہے تو وہ مکروہ ہے۔ اور ہر وہ حیلہ جس کو اس غرض سے کرتا ہے کہ حرام سے خلاصی ہو یا اس کے وسیلہ سے حلال تک پہنچ جائے یعنی حلت حاصل ہو تو یہ جائز ہے۔

حیلہ کے جواز اور اس کی جائز اور حقیقی صورت کو واضح کرنے کے لیے علاوہ سعیدی نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کئی دلائل پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ سعیدی نے امام سرخسی کے حوالے سے حیلہ کے جواز کی دلیل اور مثال بھی پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حرام کام سے بچ جائے یا جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حلال چیز کو حاصل کر لے وہ حیلہ مستحسن ہے۔ اور مکروہ تحریمی حیلہ یہ ہے کہ جس حیلہ کی وجہ سے انسان کسی حق کو باطل کرے۔ یا کسی باطل چیز کو حیلہ سے ملمع کر کے اس کو حق ظاہر کرے۔ سو جو حیلہ اس طرح ہو گا، وہ مکروہ (تحریمی) ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔**[15] (اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔) آخر میں علامہ سعیدی نے معترضین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ امام اعظم پر اعتراض کرنے سے پہلے انہیں دلائل پر غور کرنا چاہیے تھا۔ آپ لکھتے ہیں:

شمس الائمہ سرخسی کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ فقہاء احناف کے نزدیک وہ حیلہ مستحسن ہے جو نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں کے حصول کے لیے ہو۔ جس میں کسی حرام کام سے بچنا اور کسی حلال چیز کو حاصل کرنا مقصود ہو اور جس حیلہ سے کسی حق کو باطل کیا جائے یا کسی حرام چیز کو حاصل کیا جائے، جس میں ظلم اور گناہ پر معاونت ہو وہ حیلہ ناجائز اور حرام ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص زکوٰۃ یا کسی اور فرض یا اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق میں کسی حق کو ساقط کرنے کا حیلہ کرتا ہے، تو وہ ناجائز اور حرام ہے۔ لہٰذا ایسی مثالوں سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ عنہ تعالیٰ پر طعن کرنا علم اور دیانت سے بہت دور کی بات ہے۔ اگر کوئی شخص سال پورا ہونے سے مثلاً ایک ماہ پہلے اپنا بقدر نصاب مال زکوٰۃ سے بچنے کے لیے کسی کو ہبہ کر دیتا ہے، تو سال کے بعد بقدر نصاب مال نہ ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی۔ لیکن اللہ کے فرض کو ساقط کرنے کے لیے جو اس نے حیلہ کیا ہے، اس کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہو گا۔ اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا حق کھا کر وہ فیض یاب نہیں ہو گا اور جلد یا بدیر اسے کسی بھاری مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ مکافات عمل ہے اور اس سے بہت کم کوئی بچ سکا ہے۔ جن حضرات نے امام ابو حنیفہ پر متعصبانہ اعتراضات کیے ہیں۔ کاش وہ جلد بازی نہ کرتے اور ان تمام امور پر غور کر لیتے۔[16]

مختصر یہ کہ احناف اور دیگر فقہاء کے یہاں جن حیلوں کے استعمال کا جواز ملتا ہے، ان سے فقہائے احناف کی مراد وہ حیلے نہیں ہیں، جس سے شرعی احکام باطل ہو جاتے ہیں اور وہ مصالح فوت ہو جاتے ہیں جن کے لیے یہ احکام دیئے گئے ہیں بلکہ ان حیلوں کا مقصد وہ راستے اور وسیلے تلاش کرنا ہے جن سے یہ مصالح پورے ہوں، نہ کہ شرعی احکام کی خلاف ورزی ہو۔ یعنی حیلے اسی وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح

برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کرلیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے۔

عدت طلاق کے دوران عورت کے گھر سے نکلنے کا مسئلہ

اسلام نے عدت کا قانون خاندانی نظام کی بقا کے لیے رکھا ہے۔اس قانون کے تحت عورت کے لیے لازم ہے کہ وہ طلاق یا خاوند کی وفات کے بعد ایک مخصوص مدت تک،ایک خاص حالت میں گزارے۔جب میاں بیوی میں طلاق کے ذریعے علیحدگی ہوجائے تو عورت کو دوسرا نکاح کرنے کے لئے کچھ مدت انتظار کرناضروری ہوتاہے،اس مدت کو عدت کہا جاتاہے،قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:[یَآیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّۃَ ۔][17](اے نبی مکرم!(مومنوں سے کہیے) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو ۔)۔آگے چل کر فرمایا:[لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ۔][18](تم ان کو(دوران عدت)ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔)

طلاق کی عدت کے دوران عورت اپنے سابقہ خاوند کے گھر میں ہی رہے گی یا وہاں سے جاسکتی ہے؟اس بارے میں علمائے امت کا اختلاف ہے۔آئمہ ثلاثہ عدت طلاق میں عورت کے گھر سے نکلنے کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ احناف کے نزدیک عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں جب تک اس کی عدت پوری نہ ہوجائے۔اس آیت میں ’’بیوتھن ‘‘ سے مراد خاندوں کے گھر ہیں جن میں عورتیں رہ رہی ہیں،ان میں رہنے کی وجہ سے انہیں "ان کے گھر" فرمایاہے۔یعنی عورت کے لیے عدت کے ایام خاوند کے گھر میں گزارنا ضروری ہے،نہ خاوندوں کو انہیں ان کے گھروں سے نکالنے کی اجازت ہے نہ انہیں خود ان سے نکل جانے کی۔اس کی حکمت آگے ’’لَعَلَّ اللہُ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا ‘‘میں بیان فرمائی کہ اتنی مدت ایک گھر میں اکٹھے رہنے سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی باہمی صلح اور رجوع کی کوئی صورت پیدا فرمادے گا۔اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے اسی وقت الگ ہوگئے اور ملاقات کا موقع ہی نہ رہا تو رجوع کا معاملہ بہت مشکل ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنا خوف دلا کر نہایت تاکید کے ساتھ یہ حکم دیاہے،مگر مسلمانوں نے کم ہی اس کی پرواہ کی ہے،شاید ہی کوئی ایسا مرد ہو جو طلاق کے بعد عورت کو اپنے گھر میں رہنے دے یا کوئی ایسی عورت ہو جو وہاں رہے۔

اپنی تفسیر میں امام قرطبیؒ نے قرآن مجید کی مذکور آیت کے مقابلے میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھاہے کہ عورتوں کا عدت کے دوران اپنے گھر سے نکلنا جائز ہے۔وہ حدیث درج ذیل ہے:

قَالَ ابْنُ جُرَیْجٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَیْرِ، أَنَّہُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللہِ یَقُولُ: طُلِّقَتْ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَھَا، فَزَجَرَھَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «بَلَى فَجُدِّي نَخْلَکِ، فِإِنَّکِ عَسَى أَنْ تَصَدَّقِي، أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا۔[19]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی،انہوں نے اپنی کھجوریں درخت سے اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے ان کو گھر سے نکلنے سے منع کیا،وہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئیں،آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تم اپنے درخت سے کھجوریں اتارو کیونکہ ہوسکتاہے کہ تم ان کھجوروں کو صدقہ کرو یا کوئی اور نیکی کا کام کرو۔

امام قرطبیؒ مذکورآیت کی تفسیر میں مذکور حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:
فَفِي هَذَا الْحَدِيثِ دَلِيلٌ لِمَالِكٍ وَ الشَّافِعِيِّ وَ ابْنِ حَنْبَلٍ وَ اللَّيْثِ عَلَى قَوْلِهِمْ: إِنَّ الْمُعْتَدَّةَ تَخْرُجُ بِالنَّهَارِ فِي حَوَائِجِهَا، وَ إِنَّمَا تَلْزَمُ مَنْزِلَهَا بِاللَّيْلِ. وَ سَوَاءٌ عِنْدَ مَالِكٍ كَانَتْ رَجْعِيَّةً أَوْ بَائِنَةً. وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الرَّجْعِيَّةِ: لَا تَخْرُجُ لَيْلًا وَ لَا نَهَارًا، وَ إِنَّمَا تَخْرُجُ نَهَارًا الْمَبْتُوتَةُ. وَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: ذَلِكَ فِي الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، وَ أَمَّا الْمُطَلَّقَةُ فَلَا تَخْرُجُ لَا لَيْلًا وَ لَا نَهَارًا. وَ الْحَدِيثُ يَرُدُّ عَلَيْهِ۔[20]

اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے اس قول پر دلیل ہے کہ جو عورت عدت طلاق میں ہو، وہ اپنی ضروریات کے لیے دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے اور رات میں اس پر لازم ہے کہ وہ گھر آجائے، امام مالک فرماتے ہیں خواہ اس کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن دی گئی ہو، امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاق رجعی میں وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور جس کو طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ صرف دن میں گھر سے باہر جاسکتی ہے اور جو عورت عدت طلاق گزار رہی ہو وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور یہ حدیث ان کے مذہب کا رد کرتی ہے۔

امام قرطبیؒ نے مذکور حدیث کی روشنی میں احناف کے مذہب کا رد کیا ہے کہ مذکور آیت تمام عورتوں کی عدت کے لیے ہے، صرف بیوہ کی عدت کے لیے مخصوص نہیں ہے۔اس لیے احناف کا موقف صحیح نہیں ہے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے یہاں احناف کے موقف کا دفاع کیا ہے۔آپ احناف کے موقف کا دفاع کرتے ہوئے امام قرطبیؒ کے دلائل کا رد کرتے ہیں۔ علامہ سعیدی نے قرآن مجید کی آیت کے اطلاق سے استدلال کرتے ہوئے پانچ دلیلوں سے امام قرطبیؒ پر نقد کیا ہے۔آپ کے نزدیک قرآن مجید کی آیت کا حکم عام ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خالہ والی حدیث کا حکم خاص ہے۔اور عام کو خاص پر فوقیت حاصل ہے۔آپ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو دوران عدت بغیر کسی استثناء یا قید کے مطلقاً گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید حضرت جابر کی خالہ کی حدیث پر مقدم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو حضرت جابر کی خالہ کو دوران عدت گھر سے نکلنے کی اجازت دی تھی، ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نکلنے کی ممانعت کا حکم عام ہے اور حضرت جابر کی حدیث میں ان کی خالہ کے لیے نکلنے کا حکم خاص ہے اور عام، خاص پر مقدم ہوتا ہے، چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں دوران عدت ان کی خالہ کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اباحت ہے اور اس آیت میں مطلقہ کے لیے دوران عدت گھر سے باہر نکلنے کی تحریم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تحریم اور اباحت کے دلائل میں تعارض ہو تو تحریم کے دلائل کی اباحت کے دلائل پر ترجیح ہوتی ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا دوران عدت گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع ہے، لیکن آپ نے اپنے خصوصی اختیار سے حضرت جابر کی خالہ کو دوران عدت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی، اس حدیث میں آپ نے مخصوص مطلقہ کو دوران عدت ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔ بالعموم یہ نہیں فرمایا کہ ہر مطلقہ دوران عدت اپنی ضرورت کی وجہ سے دن میں باہر نکل سکتی ہے، اس لیے اس خاص جزئیہ سے حکم عام

پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اور اس کی بہت نظائر ہیں۔[21]

علامہ سعیدی کی مذکور عبارت پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ احکام میں بعض ایسی احادیث موجود ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ وہ کسی دوسرے کے لیے دلیل نہیں بن سکتیں کیونکہ وہ قرآن کے براہ راست متعارض ہیں۔ اس لیے حدیث جابر بھی انہیں احادیث میں شامل ہے۔ لہذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ سعیدی نے یہاں کچھ دوسری مثالیں پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی بعض احکام میں حدیث رسول کا درجہ خاص کا ہوتا ہے، عام کا نہیں۔

علامہ سعیدی لکھتے ہیں کہ دیکھئے میت پر نوحہ کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنھا کو مخصوص میت پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دی، جیسا کہ اس حدیث میں ہے: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی: [**یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیاء (الی قولہ تعالیٰ) ولا یعصینک فی معروف**][22] (ہجرت کر کے آنے والی خواتین آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں کریں گی۔۔۔اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔)حضرت ام عطیہ نے کہا: ان احکام میں میت پر نوحہ کرنے سے ممانعت بھی تھی، پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آل فلاں پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دیں، کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں نوحہ میں میری موافقت کی تھی، سو میرے لیے بھی ان کی موافقت کرنا ضروری ہے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ماسوا آل فلاں کے۔ حضرت ام عطیہ کو آل فلاں پر نوحہ کی اجازت دینے سے یہ لازم نہیں آیا کہ مطلقاً میت پر نوحہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنا بالعموم جائز نہیں ہے لیکن آپ نے حضرت ابوداؤد بن نیار رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم اس کی قربانی کر لو اور تمہارے علاوہ یہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔ آپ نے مکہ کے درختوں کو کاٹنے سے مطلقاً منع فرمایا لیکن قریش کے ایک شخص نے اذخر (گھاس) کاٹنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی۔ قرآن مجید میں اڑھائی سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانے کی ممانعت ہے لیکن آپ نے حضرت سالم کو بلوغت کے بعد جوانی میں سہلہ بنت سہیل نامی ایک صحابیہ کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور حضرت سہلہ رضی اللہ عنھا کو ان کی رضاعی ماں بنا دیا۔ ریشم پہننا مردوں کو مطلقاً ممنوع ہے لیکن آپ نے حضرت زبیر اور حضرت عبد الرحمان کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔[23]

علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول ان تمام دلائل کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ واضح ہو کہ بعض اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار اور مرضی سے کسی خاص صحابی کو کام کرنے کی اجازت دیتے تھے لیکن وہ اجازت عمومی نہیں بنتی تھی بلکہ انہی تک اس کا حکم محدود رہتا تھا۔ علامہ سعیدی مذکور احادیث باحوالہ ذکر کرنے کے بعد خلاصہ بحث یوں بیان کرتے ہیں:

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ جو کام مطلقاً ممنوع ہو، اگر آپ کسی شخص کو اس کام کرنے کی اجازت دے دیں تو اس اجازت کی وجہ سے وہ کام بالعموم جائز نہیں ہو جاتا اور وہ اجازت صرف اس کی حد تک رہتی ہے، سو آپ نے حضرت جابر کی خالہ کو عدت طلاق میں کھجوریں اتارنے کے

لیے گھر سے باہر جانے کی جو اجازت دی تھی یہ اجازت صرف ان کی حد تک ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عدت طلاق میں دن کے وقت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا بالعموم جائز ہو جائے، لہٰذا اس حدیث کی بناء پر مذہب احناف کا مردود ہونا لازم نہیں آتا۔[24]

علامہ قرطبیؒ نے جس انداز سے احناف کے مذہب کا رد کیا تھا، علامہ سعیدی نے بھی اسی انداز میں علامہ قرطبیؒ کو جواب دیا ہے۔ علامہ سعیدی نے ادھر ادھر کے دلائل اکٹھے کرنے کی بجائے براہ راست قرآن و سنت سے استدلال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ عورت عدت طلاق کے دوران اپنے خاوند کے گھر سے نہیں نکلے گی بلکہ وہ عدت گزرنے تک وہیں رہے گی۔ خود قرآن نے بھی اسی پر زور دیا ہے کہ عورت عدت اپنے سابقہ خاوند کے گھر ہی گزارے اور خاوند کو پابند کیا ہے کہ وہ دوران عدت عورت کو گھر سے نہ نکالے اور نہ ہی اس کو کوئی اذیت دے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ۔[25]

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔

علامہ سعیدی نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس کی تائید دیگر مفسرین کی تفسیری آراء سے بھی ہوتی ہے۔ مولانا عبد الرحمان کیلانی اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

خاوند کے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ عدت گزارنا غیر شرعی اور گناہ کا کام ہے:۔ ہمارے ہاں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی میں لڑائی ہوئی تو بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی یا خود میاں نے اسے میکے روانہ کر دیا۔ بعد میں کسی وقت بیک وقت تین طلاق لکھ کر بھیج دیں۔ یا خاوند بیوی کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا ہے یا بیوی خود ہی اپنے میکے چلی جاتی ہے۔ ان سب صورتوں میں عورت کی عدت اس کے میکے میں ہی گزرتی ہے۔ یہ سب باتیں خلاف شرع اور گناہ کے کام ہیں۔ کیونکہ اللہ کا یہ حکم ہے کہ عورت عدت اپنے طلاق دینے والے خاوند کے ہاں گزارے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عدت کے دوران سکنیٰ اور نفقہ کی ذمہ داری مرد کے سر پر ڈال دی ہے۔[26]

مختصر یہ کہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد عدت تک اپنے گھر میں رکھے اور عورت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ عدت شوہر کے گھر میں گذارے۔ غصہ میں آکر میکے نہ چلی جائے گھر سے باہر نہ نکلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی ضرورت کے لیے وہ باہر نہیں جاسکتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ شوہر کا گھر چھوڑ کر وہ کسی اور جگہ منتقل نہ ہو جائے۔

ذمیوں کی گواہی سے متعلق امام قرطبیؒ کی رائے پر نقد

موت کے وقت جب انسان کو اپنے مال کو اپنے ورثاء تک پہنچانے کے لیے وصیت کی ضرورت ہوتی ہے تو ایسے میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قریب المرگ انسان ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں اس کو وصیت کی گواہی کے لیے مسلمان گواہ میسر نہیں آتے۔ جب کسی شخص پر موت کی علامتیں ظاہر ہوں اور وہ وصیت کرنا چاہے یا اس کے لئے وصیت کرنا ضروری ہو تو وہ مسلمانوں سے دو معتبر (دیندار اور ثقہ) آدمیوں کو اس پر گواہ بنالے۔ وصیت اپنے مال سے بھی ہو سکتی ہے اور اس بات کی بھی ہو سکتی ہے کہ میرے پاس فلاں فلاں اشخاص کی یہ اور یہ امانتیں ہیں اور

وہ ان کے حوالہ کر دی جائیں نیز قرض یا واجبات کی ادائیگی کی بھی ہو سکتی ہے۔ گواہی کے ضمن میں قرآن کا عمومی اسلوب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہی مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ گواہ "تم ہی میں سے" ہونا چاہیے۔ لیکن جب مسلم گواہ میسر نہ ہو تو غیر مسلم کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ۔[27]

اے ایمان والو: جب تم میں سے کسی کی موت (کا وقت) آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو تمہاری شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی (گواہ ہوں) اور اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو اور تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے تو غیروں میں سے ہی دو شخص (گواہ ہوں) ، اگر تمہیں ان پر شک ہو تو تم ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک لو ، وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم (کسی فائدہ کی وجہ سے) اس قسم کے عوض کوئی مال نہیں لیں گے اور خواہ قریبی رشتہ دار ہوں (ہم ان کی رعایت نہیں کریں گے) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپائیں گے ورنہ ہم سخت گنہ گاروں میں شمار ہوں گے۔

مولانا عاشق الٰہی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سفر میں ہو اور اس کو موت کے آثار دکھائی دینے لگیں تو وہ دو آدمیوں کو وصی بنادے یہ دونوں مسلمان دیانت دار ہونے چاہیں۔ اگر مسلمان نہ ملیں تو دوسری قوم میں سے دو آدمیوں کو وصی بنادے اور یہ دونوں جب واپس آئیں تو مرنے والے کے وارثوں کو اس کا مال پہنچا دیں۔ اگر میت کے وارثوں کو شک ہو کہ ان دونوں نے کچھ مال چھپالیا ہے تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لیں تاکہ وہ قسم کھالیں۔ قسم دلائی جائے کہ ہمارے پاس اور کوئی مال نہیں ہے۔ نماز کے بعد روک کر قسم کھلانا تغلیظ یمین (یعنی قسم میں مضبوطی اور تاکید کے لئے ہے نماز کے بعد روکنا کوئی واجب نہیں)۔ یہ لوگ اپنی قسم میں کہیں کہ ہمیں اپنی قسم کے ذریعے کوئی دنیاوی نفع مطلوب نہیں اگر ہماری قسم سے کسی قریبی رشتہ دار کو یہ پتہ چل جائے کہ مرنے والے کا مال اور بھی تھا جو وارثوں تک نہیں پہنچا تو وارثوں میں سے دو شخص اس بات پر قسم کھائیں کہ ہمارا مال ابھی باقی ہے وہ مال ہمیں ملنا چاہئے اور یہ بیان دیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی بہ نسبت صحیح ہے۔ ہم نے اپنی جان میں کوئی زیادتی نہیں کی، اگر ہم زیادتی کریں گے اور حد سے آگے نکلیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ یہ دونوں شخص جو مرنے والے کے اولیاء میں ہوں میت سے رشتہ کے اعتبار سے قریب تر ہوں۔"[28]

فقہاء و مفسرین کی آراء سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں گواہ مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کتب تفاسیر و فقہ میں یہی درج ہے کہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم کی گواہی قابل قبول نہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں بعض علماء کرام جیسے کہ فقہائے احناف نے اختلاف کیا ہے کہ بعض حالتوں میں غیر مسلم، خاص طور پر اہل ذمہ کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے کہا

ہے کہ کافروں کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے ٗاور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی جائز نہیں ہے ٗکیونکہ شہادت کی تمام آیات اپنے سیاق وسباق کے اعتبار سے مسلمانوں کے متعلق ہیں ٗاور کافروں کی گواہی ایک دوسرے کے متعلق قبول کی جائے گی۔قرآن مجید میں ہے:

والذین کفروا بعضھم اولیآء بعض۔[29]

اور کافر ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

قرآن مجید نے کافروں کی ایک دوسرے پر ولایت ثابت کی ہے اور ولایت شہادت سے اعلی درجہ ہے اور حدیث میں بھی اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت کا ثبوت ہے۔جبکہ فقہاءمالکیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ان کے نزدیک اہل ذمہ کی شہادت مطلقا مقبول نہیں ہے ٗمسلمان کے خلاف ٗنہ اہل کتاب کے خلاف۔اس لیے علامہ محمد بن احمد مالک قرطبیؒ ٦٦٨ھ فقہاءاحناف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أَنَّ قَوْلَهُ سُبْحَانَهُ: "أَوْ آخَرانِ مِنْ غَيْرِكُمْ" مَنْسوخٌ، هَذَا قَوْلُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ وَالنَّخَعِيِّ وَمَالِكٍ، وَالشَّافِعِيِّ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ، إِلَّا أَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ خَالَفَهُمْ فَقَالَ: تَجُوزُ شَهَادَةُ الْكُفَّارِ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَجُوزُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَاحْتَجُّوا بِقَوْلِهِ تَعَالَى: "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَداءِ" وقوله: "وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ" فَهَؤُلَاءِ زَعَمُوا أَنَّ آيَةَ الدَّيْنِ مِنْ آخِرِ مَا نَزَلَ، وَأَنَّ فِيهَا "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ" فَهُوَ نَاسِخٌ لِذَلِكَ، وَلَمْ يَكُنِ الْإِسْلَامُ يومئذ إلا بالمدينة، فجازت شهادة أهله الْكِتَابِ، وَهُوَ الْيَوْمَ طَبَّقَ الْأَرْضَ فَسَقَطَتْ شَهَادَةُ الْكُفَّارِ، وَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى أَنَّ شَهَادَةَ الْفُسَّاقِ لَا تَجُوزُ، وَالْكُفَّارُ فُسَّاقٌ فَلَا تَجُوزُ شَهَادَتُهُمْ۔"[30]

او اخران من غیر کم۔ منسوخ ہے یہ زید بن اسلم، نخعی، امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ وغیرہم فقہاء کا قول ہے مگر امام ابو حنیفہ ان کی مخالفت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: کفار کی ایک دوسرے پر گواہی جائز ہے اور مسلمان پر کفار کی گواہی جائز نہیں انہوں نے اللہ تعالٰی کے ارشاد: (آیت) ممن ترضون من الشھداء (بقرہ: ٢٨٢) اور (آیت) و اشھدو اذوی عدل منکم (الطلاق: ٢) سے حجت پکڑی ہے۔ان علماء کا خیال ہے کہ آیت دین آخر میں نازل ہوئی اور اس میں ہے (آیت) ممن ترضون من الشھداء اس کی ناسخ ہے اور اس وقت اسلام صرف مدینہ میں تھا پس اہل کتاب کی شہادت جائز تھی آج زمین پر مسلمان پھیل چکے ہیں اور کفار کی شہادت ساقط ہو چکی ہے اور مسلمان کا اجماع ہے کہ فساق کی شہادت جائز نہیں اور کفار فساق ہیں پس ان کی شہادت جائز نہیں۔

علامہ سعیدی امام قرطبیؒ کی رائے پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ قرطبیؒ کی اس عالمانہ بحث کی متانت سے ہمیں انکار نہیں ہے۔لیکن امام ابو حنیفہ نے اہل ذمہ کی آپس میں شہادت کے جواز پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا ٗبلکہ ان کا استدلال اس آیت سے "والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض"۔یہ آیت اور اس کے علاوہ دو حدیثیں جن سے امام اعظم نے استدلال کیا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ اہل ذمہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہیں ٗاجرت اور قرض کا لین دین کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی دوسرے کے ساتھ زیادتی بھی کرتا ہے۔مثلا قتل کرتا ہے یا زخمی کرتا ہے اور ان میں دیگر جرائم بھی ہوتے ہیں اور باہمی تنازعات بھی ہوتے ہیں۔ہمارے ملک میں یہ اپنے مقدمات مسلمان حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں ٗاگر ان کے معاملات ٗجرائم اور

تنازعات میں ان کی اپنی شہادت قبول نہ ہو تو ان کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ان کو انصاف نہیں مل سکے گا اور ظلم اور فساد کا غلبہ ہو گا ، اور یہ اسلام کے منشاء کے خلاف ہے ، اس لیے ضرورت کا یہ تقاضا ہے کہ دارالاسلام میں اہل ذمہ میں ایک دوسرے کے متعلق شہادت کو قبول کیا جائے۔ اور اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کا موقف ہی قرآن مجید ، احادیث اور عقل سلیم کے مطابق ہے۔[31]

عصر حاضر میں صورتحال یوں ہے کہ کئی ایسے معاملات ہو جاتے ہیں جن میں وصیت کے لیے صرف غیر مسلم ہی گواہ موجود ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اب ان فقہائے کرام کے قول کو قبول کیا جائے تو اہل ذمہ کی گواہی قبول کرنے کے حق میں ہیں۔ یہی بات علامہ سعیدی نے لکھی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

بعض اوقات سفر میں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو وصیت کے وقت کوئی مسلمان گواہ میسر نہ ہو ، تو اب اگر مسلمانوں کے معاملات میں اہل کتاب کی شہادت بالکل میسر نہ ہو تو بعض مواقع پر مسلمانوں کے حقوق معطل ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں ایسی صورت ہو وہاں کسی غیر مسلم سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لے کر امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے ، اس کو گواہ بنالیا جائے ، تو اس کی گنجائش ہے ، کیونکہ اس آیت کا منسوخ ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس ، ابن المسیب ، ابن جبیر ، ابن سیرین ، قتادہ شعبی ، ثوری اور امام احمد کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے اور منسوخ نہیں ہے۔ لہذا اگر کسی ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کو اس کے مطابق قسم لے کر گواہ بنالیا جائے ، تو یہ ظاہر قرآن کے بھی مطابق ہے اور اس میں آسانی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کا بھی تحفظ ہے۔[32]

علامہ غلام رسول سعیدی کے اس قول کے مطابق اگر عمل کیا جائے تو ناگزیر صورتحال میں وصیت کے معاملات میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو جائے گا۔ جیسا کہ شریعت بھی کہتی ہے کہ موت کے وقت کی جانے والی اس وصیت پر مقرر کئے جانے والے وہ دو گواہ تم ہی لوگوں میں سے ہونے چاہئیں۔ یعنی وہ مسلمان ہوں کہ اصل یہی ہے۔ لیکن اگر کسی سفر کے دوران ایسے دو مسلمان گواہ میسر نہ آسکیں۔ اور تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے تو ایسی صورت میں تم اپنے سوا باہر کے دو گواہ بھی مقرر کر سکتے ہو۔ یعنی غیر مسلموں میں سے۔ کہ معاملہ مجبوری اور لاچاری کا ہے۔

خلاصہ بحث

علامہ غلام رسول سعیدی فقہ حنفی سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ امام قرطبیؒ کا مذہب مالکیہ ہے۔ امام قرطبیؒ نے مالکی فقہ کے مطابق اپنی تفسیر میں دلائل اور مسائل فقہیہ ذکر کیے ہیں۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے فقہ حنفی کے مطابق ان دلائل کے مقابلے میں اپنے دلائل قائم کیے ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں انہوں نے امام قرطبیؒ پر نقد کرتے ہوئے ان کے مسائل پر تبصرہ کیا ہے، وہاں انہوں نے فقہ احناف کے دلائل کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال علامہ سعیدی کا یہ اسلوب خالصتا محققانہ اور دلائل کی تقویت و ترجیح پر مبنی محسوس ہوتا ہے۔ آپ نے کسی جگہ دوسرے فقہی مذہب کی تحقیر کا کوئی تاثر نہیں دیا۔ اس سے علامہ غلام رسول سعیدی کی علم دوستی کا بھی علم ہوتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دوسرے مذاہب فقہ پر بھی دسترس حاصل ہے۔

References

[1]. Al Sayuti, Abdur Rhman bin Abi Bakar, Tabqat ul Mufasireen al Ishreen, maktba Wahba, Qahira, p: 92
[2] .Zarkali, Khair ud Din bin Mahmood, Al Ala'm, Dar al Malyeen, vol: 5, o: 322
[3] . Al Qutabi, Abu Abdullah Muhammad bin Ahmed, Tafseer e Qurtabi, dar al kutub al misryah, Qahira, 1964, vol: 9, p:89
[4] . Ibn e Farhoon, Ibrahim bin Ali bin Muhammad, Al dibaj al Muzahhab fi Marifat e Ayan Ulma El Mazhab, Dar al Turas, Qahira, vol:2, p:338
[5] . ibid
[6] . Saadi, Abu Habib, Al Qamoos al Fiqhi, Idara al Quran wal Uloom al Islamia, Karachi, p: 106
[7] . Al Jujrani, Ali bin Muhammad, Kitab al Tareefat, Makbta Rehmania, Lahore, p: 68
[8] .AL Shatbi, Ibrahim bin Musa bin Muhammad, Al Muwafiqat, Dar Ibn Affan, 1997, p: 333
[9]. Al Qutabi, Abu Abdullah Muhammad bin Ahmed, Tafseer e Qurtabi, p: 205-206
[10] . Saeedi, Ghulam Rasool, Tafseer Tibyan ul Quran, Farid Book Stall, Lahore, vol: 5, p:828
[11] .Surah Saad, 38: 44
[12] . Saeedi, Tibyan ul Quran, vol, 5, p:830
[13] . Shaikh Muhammad Usman Ghani, Nasar Ul Bari, Maktba al Sahikh , Karachi, 2011, vol: 12,p:280
[14] . Nazam ud Din Balkhi & Ulama Borad, Al Fataawa al Hindyah, Dar ul Fikar, Bairut, 1310, vol: 6, p:390
[15] . Surah al Maeda, 6: 2
[16] . Saeedi, Tibyan ul Quran, vol:5 , p:831-832
[17] . Surah al Talaq, 65: 1
[18] . ibid
[19] . Muslim bin Hajaj, Al Musnad al Sahih, Dar Ehyah al Turas al Arabi, Bairut, vol:2, p: 121, Hadith no: 1483
[20] . Al Qutabi, Abu Abdullah Muhammad bin Ahmed, Tafseer e Qurtabi, vol: 18, p: 154
[21] . Saeedi, Tibyan ul Quran, vol:12 , p:63
[22] . Surah al Mumtahina, 60:12
[23] . Saeedi, Tibyan ul Quran, vol:12, p:64
[24] . ibid
[25] . Surah al Talaq, 65:6
[26] . Kailani, Abdur Rehman, Taiseer ul Quran, Maktba asslam, Lahore, 1432, vol: 4, p:470
[27] . Surah al Maeda, 6:106
[28] . Ashiq Ilahi, Tafseer Anwar al Biyan, Idara Taleefat Ashrafia, Multan, 1434, vol: 3,p: 173
[29] . Surah al Anfal, 8: 73
[30] . Al Qutabi, Abu Abdullah Muhammad bin Ahmed, Tafseer e Qurtabi, vol: 6, p: 350
[31] . Saeedi, Tibyan ul Quran, vol:3 , p:349-350
[32] . ibid